© rasailojaraid.com

حرف آغاز

دورِ حاضر میں خواتین کی ملازمت کا مسئلہ

سید جلال الدین عمری

اسلامک فقہ اکیڈمی کا اٹھارواں سمینار ۲۸/ فروری تا ۲/ مارچ ۲۰۰۹ء تمل ناڈو کے مشہور شہر مدورائی میں منعقد ہوا۔ اس کے موضوعات میں ایک موضوع موجودہ دور میں مسلم خواتین کی ملازمت سے متعلق تھا۔ اس مناسبت سے راقم نے ذیل کا مقالہ تحریر کیا۔ اس کے ضروری حصے سمینار میں پیش کیے اور بعض پہلوؤں کی زبانی وضاحت کی۔ یہی مقالہ نظر ثانی کے بعد یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ سوالات فقہ اکیڈمی کے قائم کردہ ہیں۔ (جلال الدین)

خاندانی نظام میں عام طور پر مرد کی حیثیت سربراہ کی ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے، بیوی بچوں اور بعض اوقات قریبی عزیزوں کی معاش اور دوسری ضروریات کا نظم کرتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ دوسری طرف عورت امورِ خانہ داری انجام دیتی ہے، جس میں گھر کے نظام کو ٹھیک رکھنا، بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش اور شوہر کے مال کی حفاظت جیسے امور شامل ہیں۔ خاندان کا یہی نظام عرب میں بھی رائج تھا۔ اس نظام میں بعض بڑی بے اعتدالیاں تھیں، ایک دوسرے کے حقوق متعین نہیں تھے، ذمہ داریاں واضح نہیں تھیں۔ بعض اوقات عدل و انصاف کے صریح تقاضے پورے نہیں ہوتے تھے۔ عورت اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے سب کچھ برداشت کرتی تھی۔ اسلام نے خاندان کا نظام باقی رکھا، اسے مستحکم بنیادیں فراہم کیں، ظلم و ناانصافی سے پاک کیا، مرد اور عورت کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا، مرد کی مطلق بالا دستی ختم کی، عورت کی کمزوری کی رعایت کی اور اسے قانونی تحفظ فراہم کیا۔ خاندان کی بقا اور استحکام کے لیے اس نے مرد سے کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ عورت کی معاش کا ذمہ دار ہے۔ یعنی از روئے قانون عورت کا یہ حق قرار دیا کہ مرد اس کا نان نفقہ برداشت کرے۔ اس انتظام کی بظاہر ایک حکمت یہ ہے کہ عورت گھر کے داخلی نظم کو چلانے کے لیے خود کو فارغ کر سکے۔

موجودہ دور میں جو سماجی تبدیلیاں آئی ہیں اور ضروریاتِ زندگی کا دائرہ جس طرح وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اس میں یہ ضروری سمجھا جانے لگا ہے کہ مرد کے ساتھ عورت بھی معاشی جدوجہد میں شریک ہو۔ آج کی عورت خود بھی معاشی طور پر خود کفیل ہونا چاہتی ہے اور خاوند یا کسی دوسرے فرد پر انحصار کرنا نہیں چاہتی۔ اسے اس کے مواقع بھی حاصل ہیں۔

آج بہت سی مسلمان خواتین، خصوصاً تعلیم یافتہ خواتین بھی اسی طرح سوچتی ہیں اور عملاً معیشت کے میدان میں حصہ لے رہی ہیں۔ ان کے سلسلے میں بعض جو سوالات ابھرتے ہیں، یہاں ان کا جواب دینے کی طالب علمانہ کوشش کی جا رہی ہے۔

۱-سوال: شریعت اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟

جواب: اسلام نے عورت کو معاش کی فکر سے بڑی حد تک بے نیاز رکھا ہے۔ اس کے لیے وہ عام حالات میں مجبور نہیں ہے، لیکن اس کی معاشی جدوجہد کو ناپسندیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ رزق کو قرآن مجید میں اللہ کا فضل کہا گیا ہے اور اسے تلاش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ. (الجمعہ:۱۰)

جب نماز ختم ہو جائے تو (تمھیں اجازت ہے کہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

عورت کو بھی اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حق ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حق صرف مرد کو حاصل ہے، عورت کو حاصل نہیں ہے۔ اس پر ایک اور پہلو سے بھی غور کیا جا سکتا ہے۔

عورت کو مختلف ذرائع سے مال حاصل ہوتا ہے، ان میں مہر اور میراث شامل ہے، جس کی مقدار بعض اوقات بڑی ہو سکتی ہے۔ تحفہ، عطیہ اور ہبہ کی شکل میں اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس مال آ سکتا ہے، وہ چھوٹے بڑے وقف کی نگراں ہو سکتی ہے۔ از روئے شرع اسے اس کا حق ہے کہ اپنے سرمایہ کو ترقی دے اور اس کے اضافہ کے لیے کوشش کرے۔ وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کا بھی حق رکھتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، ابن المنذرؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

للمرأة الرشيدة التصرف في مالها كلها بالتبرّع والمعاوضة۔[1]

سمجھ دار عورت کے لیے اپنے پورے مال میں تصرف کا حق ہے۔ اسے وہ نیک کاموں میں صرف کر سکتی ہے اور معاوضہ پر بھی لگا سکتی ہے۔

اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ کسی کم سن لڑکی کا مال اس کے ولی کے پاس ہو تو جب وہ بالغ ہو جائے اور اسے سوجھ بوجھ حاصل ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا، چاہے اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ یہی حضرت عطاء بن ابی رباح، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ابوثور اور ابن المنذر کا مسلک ہے۔[2]

۲- سوال: کیا شریعت نے خواتین پر بھی نان نفقہ کی ذمہ داری رکھی ہے؟ (خواہ اپنا نفقہ ہو یا بچوں وغیرہ کا)

جواب: شریعت نے عام حالات میں عورت پر معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ خود اس کا نفقہ پیدائش کے بعد سے بلوغ تک، بلکہ جب تک شادی نہ ہو جائے باپ کے ذمہ ہے۔ شادی کے بعد شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب ہے، لیکن بعض حالات میں کسی نہ کسی درجہ میں اس پر بھی معاشی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کی بعض مثالیں ذیل میں دی جا رہی ہیں:

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۶/۶۰۲، تحقیق الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی والدکتور عبدالفتاح محمد الحلو، ہجر القاہرۃ، ۱۹۹۲ء۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے۔ ایک روایت امام محمد سے بھی اس کی تائید میں ہے کہ عورت اپنا مال شوہر کی اجازت کے بغیر ایک تہائی سے زیادہ صرف نہیں کر سکتی۔ ابن قدامہ نے دلائل سے اس کی کمزوری واضح کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ص ۶۰۲-۶۰۴

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۲۰۱-۲۰۲۔ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ شادی سے پہلے اس کا مال اس کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ ابن قدامہ نے اس کا جواب دیا ہے اور اس کی کمزوری واضح کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر بچوں کا باپ نہیں ہے تو ماں پر ان کا نان نفقہ واجب ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ کہتے ہیں:

ان الام تجب نفقتها ويجب عليها ان تنفق على ولدها إذا لم يكن له اب وبهذا قال أبو حنيفة والشافعي[1]

ماں کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، اسی طرح ماں پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کرے اگر اس کا باپ نہ ہو۔ (امام احمد کے ساتھ) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

فان اعسر الأب وجبت النفقة على الام، ولم ترجع بها عليه ان أيسر[2]

اگر باپ تنگ دست ہو اور اولاد کا نفقہ نہ برداشت کر سکے تو ماں پر اس کا نفقہ واجب ہو جائے گا۔ یہ اس کی طرف سے قرض نہ ہوگا، اس لیے باپ بعد میں خوش حال یا صاحب حیثیت ہو جائے تو اس کا مطالبہ وہ اس سے نہ کر سکے گی۔

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے:

ام معسرة وجدّة موسرة النفقة على الجدة[3]

ماں تنگ دست اور دادی خوش حال ہے تو نفقہ دادی پر واجب ہوگا۔

بالغ اولاد جو اپنا خرچ نہیں اٹھا سکتی، اس کے متعلق فقہ حنفی کی معتبر کتاب قدوری میں کہا گیا ہے:

وتجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن على ابويه اثلاثاً، على الاب الثلثان وعلى الام الثلث[4]

لڑکی جو بالغہ ہے اور لڑکا جو بلوغ کے بعد معذور اور اپاہج ہے اس کا نفقہ باپ اور ماں دونوں پر واجب ہوگا۔ باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی۔

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۱۱/۳۰۳۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک عصبات پر نفقہ واجب ہوتا ہے۔ ماں عصبہ نہیں ہے، اس لیے اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے نہ اولاد پر اس کا نان نفقہ لازم ہوتا ہے۔ حكى عن مالك انه لا نفقة عليها ولا لها لانها ليست عصبة لولدها۔ المغنی: ۱۱/۳۷۳

[2] المغنی، ۱۱/۳۷۳

[3] المغنی: ۱۱/۳۷۶

[4] ہدایہ مع نصب الرایہ: ۳/۴۰۷۔ دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح کہا گیا ہے کہ بھائی اگر تنگ دست ہے تو بہنوں پر ان کی میراث کے لحاظ سے نفقہ واجب ہے۔(ونفقة الأخ المعسر علی الاخوات المتفرقات اخماساً علی قدر المیراث) وہ اس طرح کہ حقیقی بہن پر ۳/۵ اور اخیافی بہن اور علاتی بہن میں سے ہر ایک پر ۱/۵ ہوگا۔[۱]

اس وقت نفقات کے سلسلے میں فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل زیر بحث نہیں ہیں۔[۲] یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں اگر کہا جائے کہ عورت پر بھی از روئے شرع افرادِ خاندان کا نفقہ واجب ہوتا ہے تو جمہور فقہاء کی اسے تائید حاصل ہوگی۔

اس قانونی بحث سے قطع نظر افراد خاندان میں الفت ومحبت اور تعاون وہمدردی کے جو فطری جذبات پائے جاتے ہیں، ان کے کچھ اور تقاضے ہیں۔ اسلام ان جذبات کو ابھارتا اور تقویت پہنچاتا ہے۔ شوہر کا نفقہ بیوی پر کسی حال میں واجب نہیں ہے، لیکن خوش حال بیوی تنگ دست شوہر کی مدد کر سکے تو یہ اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہوگا۔ شریعت اسے بہت بڑے اجر وثواب کا عمل قرار دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی، ان کی بیوی زینب ان پر اور اپنے یتیم بچوں پر (جو سابق شوہر سے تھے) خرچ کرتی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

أیجزی عنّی ان انفق علی زوجی وایتام فی حجری.	کیا میرا اپنے شوہر پر اور اپنے ان یتیم بچوں پر جو مری حفاظت اور نگرانی میں ہیں، خرچ کرنا میری طرف سے کافی ہوجائے گا اور میں اپنے فرض سے سبک دوش ہوجاؤں گی۔

یہی سوال ایک اور خاتون کو درپیش تھا۔ آپ نے دونوں سے فرمایا:

۱؎ ہدایہ مع فتح القدیر لابن الہمام: ۴/۳۸۱، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء

۲؎ اس سلسلے کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد۲، جزء۳، ص ۱۱۱-۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۸۸ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لھما اجران: اجر القرابة واجر الصدقة[۱]	ہاں ان کے لیے دو اجر ہیں: ایک قرابت کا اجر اور ایک صدقہ کا اجر۔

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ابو سلمہؓ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب ان کے بچوں پر اگر میں خرچ کروں تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا۔ میں انھیں چھوڑ بھی نہیں سکتی۔ بہر حال وہ میرے بچے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

نعم، لک اجر ما انفقت علیھم[۲]	ہاں تم ان پر جو کچھ خرچ کروگی اس کا تمھیں اجر ملے گا۔

بعض اوقات عورت پر افراد خاندان کی مدد کی اخلاقی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ احادیث بتاتی ہیں کہ شوہر اور گھر کے دوسرے افراد ضرورت مند ہوں اور عورت ان کی ضرورت پوری کرے تو وہ دوسرے مداتِ خیر میں خرچ کرنے سے زیادہ اجر وثواب کی مستحق ہوگی۔ اس جذبہ سے اگر عورت اپنی مالی حیثیت کو بہتر بنانے کی کوئی جائز تدبیر اختیار کرے تو اسے ناجائز نہیں، بلکہ جائز اور پسندیدہ ہی کہا جائے گا۔

۳- سوال: محض معیارِ زندگی کو بلند کرنے، یا وقت گزاری اور سرمایہ واثاثہ پیدا کرنے کی غرض سے عورتوں کے لیے معاشی جدوجہد کا کیا حکم ہے؟ جب کہ گھر کی مالی حالت ایسی ہے کہ اس میں تنگی ترشی سے کام چل سکتا ہے اور چلتا ہے؟

جواب: اسلام نے دنیا میں ملوث ہونے اور اپنی تمام توانائیوں کو اس میں لگانے سے منع کیا ہے اور قناعت کی تعلیم دی ہے، لیکن اگر کوئی شخص جائز اور حلال ذرائع سے مال حاصل کرتا اور آسائش و راحت کی زندگی گزارتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطے کہ اس کی معاشی مصروفیات ایسی نہ ہوں کہ وہ خدا کو بھول جائے، اس کے بندوں کے حقوق کو فراموش کر بیٹھے اور دنیا پرستوں کی طرح غفلت کی زندگی گزارنے لگے۔ کاروبارِ دنیا اللہ کے نیک بندوں کو اس کی یاد سے، نماز او رزکوٰۃ سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ وہ اللہ

۱- بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین الخ۔

۲- بخاری، کتاب النفقات، باب علی الوارث مثل ذلک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَوٰةِ يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور:۳۷)

وہ لوگ کہ انھیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتے۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں (خوف سے) الٹ جائیں گے۔

تجارت اور خرید وفروخت سے ضروریات زندگی بھی پوری ہوسکتی ہیں اور خوش حالی کا بھی امکان ہے۔ تجارت میں بالعموم یہ دونوں ہی باتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ مرد کی طرح عورت بھی اسلامی حدود میں عسرت کی جگہ راحت کی زندگی کے لیے تجارت یا کوئی جائز تدبیر اختیار کرے تو اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ اس معاملہ میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

۴-سوال: خواتین کے لیے کسب معاش کی کوئی صورت اختیار کرنے میں کیا اس وقت بھی، جب کہ وہ اندرون خانہ ہی اپنی معاشی سرگرمیوں کو محدود رکھیں، اپنے ولی یا شوہر سے اجازت لینا ضروری ہوگا؟

جواب: عورت کے لیے اندرون خانہ اپنی معاشی مصروفیت کے لیے شوہر سے اجازت لینی ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے نان نفقہ کا ازروئے شرع، مرد ذمہ دار ہے۔ وہ کسبِ معاش کے لیے مجبور نہیں ہے۔ عورت کا نان نفقہ مرد پر اس لیے بھی واجب ہے کہ وہ اس کا وقت لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عورت نان نفقہ کے عوض شوہر کے لیے اپنا وقت فارغ کرتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس، فكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه.

نفقہ عورت کو روکے رکھنے کا معاوضہ ہے۔ جو شخص دوسرے کے فائدے کے لیے محبوس ہے (اپنا وقت اسے دے رہا ہے) اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی دلیل یہ دی گئی ہے:

اصله القاضی و العامل فی الصدقات.[۱] اس کی اصل قاضی اور عامل صدقات ہے۔

قاضی اور عامل صدقات کے اوقات مسلمانوں کی فلاح کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں، اس لیے ان کا نفقہ بیت المال پر واجب ہوتا ہے۔ یہی معاملہ عورت کے نان نفقہ کا ہے۔ جب عورت کے اوقات شوہر کے لیے فارغ ہیں تو وہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسری مصروفیت نہیں اختیار کرسکتی۔

۵-سوال: اگر عورت کو کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو کیا اس کے لیے ولی یا شوہر کی اجازت ضروری ہے؟ گھر سے نکلنا مسافتِ سفر یا اس سے زیادہ کے لیے، یا اس سے کم کے لیے، دن کے وقت ہو یا رات کے وقت، ولی اس خاتون کی کفالت کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، ان صورتوں میں حکم شرعی کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

جواب: عورت کے گھر کے اندر کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرنے کے لیے جب شوہر کی اجازت ضروری ہے تو اس مقصد سے باہر نکلنے کے لیے بدرجۂ اولیٰ اجازت ضروری ہوگی۔ شوہر اسے اجازت دے بھی سکتا ہے اور منع بھی کرسکتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

وللزوج منعها من الخروج الی ما لها منه بد. شوہر کو یہ حق ہے کہ عورت کو باہر نکلنے سے ان امور کے لیے بھی منع کردے جو اس کے لیے ضروری ہیں۔

مزید کہتے ہیں:

ولا یجوز لها الخروج الا باذنه.[۲] عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شوہر کو قانونی طور پر اس کا حق ضرور ہے کہ بیوی کو اپنے والدین کی عیادت کے لیے جانے سے بھی منع کرے، لیکن یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے منافی ہے۔ اس لیے اس کی اجازت اسے دینی چاہیے۔ اسی طرح وہ

۱۔ ہدایہ اولین، کتاب الطلاق، باب النفقہ، ص ۴۱۷، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱۳۵۰ھ

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/۲۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیوی کو مسجد جانے سے روک سکتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انھیں نہ روکا جائے۔[۱]

عورت کے سفر کے سلسلے میں حدیث میں صراحت ہے کہ بغیر محرم کے اس کا سفر کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ حکم کتنی مسافت کے لیے ہے اس سلسلے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یحلّ لامرأة تومن بالله والیوم الآخر، تسافر مسیرة یوم ولیلة الاّ مع ذی محرم علیها[۲]

کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ کوئی ایسا سفر بغیر محرم کے کرے جس کی مسافت ایک دن اور رات کی ہو۔

اس روایت میں عورت کو (اگر محرم اس کے ساتھ نہ ہو تو) ایک دن کی مسافت والے سفر سے منع کیا گیا ہے۔ بعض دوسری روایات میں دو دن اور تین دن کی مسافت کا ذکر ہے۔ اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں مسافت کا ذکر ہی نہیں ہے۔

لا تسافر المرأة الا مع ذی محرم[۳]

عورت سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ۔

محدثین نے ان روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ اس اختلاف کا تعلق سوال کے اختلاف سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے عورت کے تین دن کے سفر کے متعلق، کسی نے دو دن اور کسی نے ایک دن کے سفر کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ہر موقع پر یہ جواب دیا کہ اس کا بغیر محرم کے سفر کرنا منع ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں 'برید' کا لفظ آیا ہے، جو آدھے دن کے سفر کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بتاتی ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے مطلق سفر صحیح نہیں ہے۔ اسی پر دوسری روایتوں کو محمول کرنا چاہیے۔[۴]

موجودہ دور میں سفر آسان ہو گیا ہے، فاصلے سمٹ گئے ہیں، آمد و رفت کے تیز رفتار ذرائع موجود ہیں، آدمی گھنٹوں میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ایک ملک سے

---

[۱] ابن قدامة، المغنی: ۱۰/۲۲۴

[۲] مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ

[۳] ان روایات کے لیے ملاحظہ ہو: مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ

[۴] نووی، شرح مسلم، ج ۵، جزء ۹، ص ۸۷-۸۸، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ تمدنی حالات نے سفر کو ایک ضرورت بنا دیا ہے اور چھوٹے بڑے سفر بہ کثرت ہونے لگے ہیں۔ سفر میں اجنبی مرد اور عورت کے لیے خلوت کے امکانات اور مواقع ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے، عورت کے ساتھ دست درازی بھی ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عورت کا تنہا سفر خطرات سے بالکل محفوظ ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ عورت کا سفر شوہر یا محرم کے ساتھ ہو۔ اس پورے پس منظر میں اس مسئلہ پر مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

جہاں تک اوقات ملازمت کا تعلق ہے آج کل ملازمت کبھی دن کی ہوتی ہے اور کبھی رات کی۔ خطرات دونوں میں ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی اصول وضع نہیں کیا جا سکتا۔ دین دار مرد اور عورت فائدے اور نقصان اور خطر اور عدم خطر کا خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

عورت کی کفالت کی ذمہ داری اس کے ولی یا شوہر کی ہے۔ اگر وہ اس ذمہ داری کے ادا کرنے سے معذور ہیں، یا عملاً ادا نہیں کر رہے ہیں تو اس کے احکام دوسرے ہیں۔ اس سے ان کا یہ حق ساقط نہیں ہوتا کہ ان کی اجازت ہی سے اسے گھر سے باہر نکلنا چاہیے۔

۶-سوال: خواتین کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں شرعی حدود کیا ہیں؟

جواب: اس ذیل میں تین اہم اصول سامنے آتے ہیں:

۱-مرد ہو یا عورت وہ ایسی ملازمت نہیں اختیار کر سکتے جو شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز ہو، جیسے بینک کی ملازمت، یا شراب اور جوئے کا کاروبار، یا اسی نوعیت کے دوسرے کام جن کی حرمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

۲-عورت کو اس کے ولی یا شوہر کی جازت حاصل ہو۔

۳-عورت اور مرد کا اختلاط نہ ہو۔

۷-سوال: ملازمت کرنے والی خواتین اگر ایسے اداروں میں کام کریں (خواہ تعلیمی ادارے ہوں یا دوسرے) جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں اور کام کی جگہوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرد نہ ہوتے ہوں، البتہ ادارے کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں پردے کے کیا احکام ہوں گے؟

اگرعورت ایسی جگہ کام کرے جہاں مرد کارکن بھی ہوں تو اس وقت خاتون کارکنوں کے لیے پردہ کی کیا حدود ہوں گی؟ اس سلسلے میں کیا سن رسیدہ خواتین اور جوان عورتوں کے درمیان فرق ہوگا؟

جواب: خواتین ایسے اداروں میں ملازمت کرسکتی ہیں جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں، اور کام کی جگہوں میں مرد نہ ہوتے ہوں۔ مرد ذمہ دار ہوں تو شرعی حدود کے اندران سے بات ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں دو امور غور طلب ہیں، ایک کا تعلق عورت کے حدودِ حجاب سے ہے، دوسرا مسئلہ ہے عورت کا کسی غیر محرم سے بات کرنا۔

جہاں تک عورت کے حجاب کا تعلق ہے۔ اس کا حجاب از روئے شرع پورے بدن کا ہے۔ وہ اپنے بدن کا کوئی حصہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں کھول سکتی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المرأة عورة، فاذا خرجت استشرفها الشيطان۔[1]	عورت خود کو پوشیدہ رکھے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے۔

مطلب یہ کہ عورت کو پردے میں ہونا چاہیے۔ جب وہ اس سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اپنی کارروائی شروع کردیتا ہے۔ اس میں خود عورت کے گم راہ ہونے یا کسی دوسرے کے گم راہ ہونے کا خطرہ ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھ کا بھی حجاب ہے یا وہ نامحرم کے سامنے انھیں کھول سکتی ہے؟۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے دونوں نقطۂ نظر بیان کیے ہیں او رثابت کیا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی حدودِ حجاب میں شامل ہیں۔[2] (اس عاجز کی بھی یہی رائے ہے)

جب عورت کے پورے بدن کا حجاب ہے تو مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس

---

[1] ترمذی، کتاب الرضاع، باب:۱۸

[2] ابن قدامۃ، المغنی، ۹/ ۴۹۸-۵۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے کسی حصۂ بدن کو بلا وجہ دیکھے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

نظر الرجل الی الاجنبیة من غیر سبب فانه محرم الی جمیعها[۱]	اجنبی عورت کے پورے ہی جسم کو بغیر کسی سبب کے دیکھنا مرد کے لیے حرام ہے۔

اس کے ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ وقت ضرورت اجنبی شخص کے سامنے کھول سکتی ہے اور وہ اسے دیکھ سکتا ہے۔

فقہ حنفی میں اس کے جواز کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

وینظر من الأجنبیة إلی وجهها وکفیها فقط للضّرورة[۲]	اجنبی عورت کے چہرے اور اس کی ہتھیلیوں کو آدمی صرف ضرورت کے تحت دیکھے گا۔

اس کے ساتھ تاتارخانیہ کے حوالے سے کہا گیا ہے:

النظر إلی وجه الأجنبیة الحرة لیس بحرام، ولکنه یکره لغیر حاجة[۳]	آزاد اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنا حرام تو نہیں ہے، لیکن بغیر کسی ضرورت کے دیکھنا مکروہ ہے۔

اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- کسی خاتون سے آدمی نکاح کرنا چاہے تو حدیث میں آتا ہے کہ ممکن ہو تو اسے دیکھ بھی لینا چاہیے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا خطب أحدکم المرأة فان استطاع أن ینظر إلی ما یدعوه إلی نکاحها فلیفعل[۴]	جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے رشتہ کرے تو ہو سکے تو اسے وہ اس قدر دیکھ لے جو اسے اس سے نکاح پر آمادہ کرے۔

اس سے مراد، جیسا کہ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے، چہرہ ہے۔[۵]

---

۱ ابن قدامة، المغنی، ۹/ ۴۹۸

۲ الدر المختار مع رد المحتار: ۹/ ۵۳۱، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۴ء

۳ حوالہ سابق، ص ۵۳۲

۴ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی المرأة وهو یرید تزویجها

۵ رد المحتار مع الدر المختار: ۹/ ۵۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء کا اس کے جواز پر اتفاق ہے۔[۱]

۲- بعض اوقات عورت کو ہاتھ کلائیوں سے اوپر تک بھی کھولنے پڑتے ہیں۔ چناں چہ خادمائیں، جو اجرت پر روٹی اور کھانا پکاتی یا کپڑے دھوتی ہیں، ان کے ہاتھ عموماً کہنیوں تک کھلے رہتے ہیں، ان کا دیکھنا ناجائز نہیں ہے۔[۲]

۳- مرض عورت کے بدن کے کسی بھی حصہ میں ہو، طبیب اسے حسب ضرورت دیکھ سکتا ہے۔ اس میں ہاتھ اور چہرے کی قید نہیں ہے۔[۳]

۴- ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت سے کاروبار یا اجرت کا معاملہ ہو تو اس کے چہرے کو آدمی دیکھے گا، تاکہ اسے پہچان سکے اور نقصان ہو تو تاوان کا مطالبہ کر سکے۔ ایک روایت یہ ہے کہ امام احمدؒ نے اسے ناپسند کیا ہے، یا بڑی بوڑھی عورت سے متعلق قرار دیا ہے۔ لیکن ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اس سے ہے کہ آدمی عورت کو بے ضرورت دیکھے:

فاما مع الحاجة وعدم الشهوة فلا بأس[۴]	لیکن جہاں ضرورت ہو اور شہوت نہ پائی جائے تو دیکھنے میں حرج نہیں ہے۔

۵- اسی طرح باندیوں کے احکامِ حجاب میں رعایت ہے۔ المغنی میں ہے:

الأمة يباح النظر منها إلى مايظهر غالباً[۵]	لونڈی کے جسم کا جو حصہ عموماً کھلا رہتا ہے اس کا دیکھنا جائز ہے۔

۶- غلام اپنی مالکہ کے چہرے اور ہاتھ کو بغیر شہوت کے دیکھ سکتا ہے، شہوت ہو تو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک غلام کا حکم محرم کا ہے۔[۶]

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ عورت حسب ضرورت ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھ سکتی

---

[۱] ابن قدامہ، المغنی: ۴۸۹/۹

[۲] الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۱/۹

[۳] حوالہ سابق، ص ۵۳۳

[۴] المغنی، ۴۹۸/۹

[۵] حوالہ سابق

[۶] الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۲/۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور مرد کے لیے اس کا دیکھنا جائز ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس سے شہوانی جذبات نہ مشتعل ہوں اور آدمی غلط روی نہ اختیار کرے۔

اب کسی نامحرم خاتون سے گفتگو کے مسئلہ کو لیجیے۔

فقہ حنفی کی رو سے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے:

إن صوت المرأة عورة على الراجح۔[۱]	عورت کی آواز کا بھی راجح قول کے مطابق پردہ ہے۔

سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اسی طرح چھینک کے بعد کوئی الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا سنت ہے۔ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے:

ولا يكلّم الأجنبية إلا عجوزاً عطست أو سلّمت فيشمتها لا يرد السلام عليها[۲]	اجنبی عورت سے آدمی بات نہیں کرے گا۔ ہاں اگر بوڑھی عورت چھینک کر الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہے گا، لیکن اس کے سلام کا زور سے جواب نہ دے گا۔

اس کے ساتھ ایک دوسری رائے بھی ملتی ہے، وہ یہ کہ:

يجوز الكلام المباح مع امرأة أجنبية.	اجنبی عورت کے ساتھ ایسی گفتگو کرنا جائز ہے جو مباح ہے۔

مزید کہا گیا ہے:

لا بأس بأن يتكلم مع النساء بما لا يحتاج اليه وليس هذا من الخوض فى ما لا يعنيه، انما ذلک فى كلام فيه اثم[۳]	اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی عورتوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرے جس کی فی الواقع حاجت نہیں ہے۔ یہ لایعنی گفتگو میں نہیں آتا، لایعنی گفتگو وہ ہے جس سے گناہ لازم آئے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام اجنبی مرد اور عورت کے درمیان گفتگو پسند نہیں کرتا،

۱۔ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۱/۹

۲۔ حوالہ سابق

۳۔ اس رائے کو نقل کرنے کے بعد ابن عابدین کہتے ہیں فالظاهر انه قول آخر او محمول على العجوز۔ رد المحتار: ۵۳۱-۵۳۰/۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن ساتھ ہی ضرورت کے وقت اس کی اجازت بھی موجود ہے۔ عورت احکام شریعت معلوم کرنے کے لیے مفتی یا عالم کے پاس جاسکتی ہے، قاضی کی عدالت میں حاضر ہوسکتی ہے اور شہادت دے سکتی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے ازواج مطہرات کو جو ہدایت دی ہے وہ امت کی تمام خواتین کے لیے ہے:

فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا.
(الاحزاب:۳۲)

بات میں نزاکت اور نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ کوئی برا خیال کرنے لگے اور معروف بات کہو۔

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی اجنبی یا نامحرم سے گفتگو کرتے وقت عورت کو ایسا لوچ دار اور نزاکت بھرا انداز نہیں اختیار کرنا چاہیے جس سے کسی غلط کار اور بد باطن انسان کے دل میں کوئی برا خیال آنے لگے اور وہ اس سے کوئی غلط توقع قائم کر بیٹھے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ بات چیت 'معروف' کی ہو، اس دائرے سے باہر نہ ہو 'معروف' میں گو وسعت ہے، لیکن اسے بہر حال 'منکر' کے حدود میں نہیں پہنچنا چاہیے۔

نامحرم عورت سے تنہائی میں ملاقات سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس میں شیطان کو در انداز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثھما الشیطان۔[۱]

کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی نہ اختیار کرے، اس لیے کہ (اس صورت میں) شیطان ان دو کا تیسرا ہوتا ہے۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس سے بھی خلوت میں ملاقات صحیح نہیں ہے۔[۲] اس لیے آفس ہو یا کوئی دوسری جگہ، نامحرم سے ملاقات یا گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ اس سے فساد کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ البتہ مجلس یا مجمع میں نامحرم مردوں سے گفتگو یا اظہارِ خیال کی گنجائش ہے۔ فقہاء کے ہاں اجنبی عورت کے ساتھ محرم یا کوئی دوسرا قابل

۱۔ ترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات — مسند احمد، ۱/ ۱۸

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۴۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتماد مرد یا ثقہ عورت ہو تو اسے خلوت نہیں کہا جائے گا۔[۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں نامحرم سے بات ہوسکتی ہے۔

جوان عورت اور سن رسیدہ عورت کے احکامِ حجاب میں قرآن نے فرق کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحاً فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ أَن یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَأَن یَسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ. (النور:۶۰)

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کے کسی نکاح کی توقع نہ ہو ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا، اگر وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار کر رکھ دیں، زینت کا اظہار نہ کریں۔ اگر وہ اس سے بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سب باتیں سنتا اور جانتا ہے۔

درمختار میں ہے: ایسی بوڑھی عورت سے، جس سے نکاح کی خواہش نہیں کی جاتی، مصافحہ ہوسکتا ہے۔ کسی غیر اخلاقی حرکت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے ہاتھ کو مس کیا جاسکتا ہے، اس کے ساتھ سفر ہوسکتا ہے۔[۲]

یہاں دو تین باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

۱- فقہاء کے ہاں نامحرم کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ضرور ملتی ہے، لیکن اس کا تعلق وقتی اور ہنگامی ضروریات سے ہے، اس لیے اسے قاعدۂ کلیہ بنانے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

۲- گنجائش سے حسب ضرورت ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے دیکھ سکتا ہے، مصافحہ نہیں کرسکتا، اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ قضاء اور شہادت دینے کے لیے بھی قانونی ضرورت کے تحت اسے دیکھنے کی اجازت ہے، چھونے کی نہیں۔ اس لیے اصول یہ بیان ہوا ہے الضرورات تتقدر بقدرها۔[۳]

۱۔ ردالمحتار مع الدرالمختار: ۹/۵۳۰

۲۔ الدرالمختار مع ردالمحتار: ۹/۵۲۹

۳۔ حوالہ سابق، ص ۵۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳- چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی جو صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں یہ شرط موجود ہے کہ جنسی جذبہ یا محرک نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اس کا جواز ختم ہو جائے گا۔ غلام اپنی مالکہ کو بھی جنسی جذبہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ مالکہ جوان ہو تو اسے دیکھنا نہیں چاہیے۔[۱]

باندی کے جسم کا جو حصہ بالعموم کھلا رہتا ہے اسے دیکھنے کا جواز ہے، لیکن باندی اگر خوب صورت ہے اور اسے دیکھنے سے جنسی جذبہ ابھر سکتا ہے تو اسے دیکھنا نہیں چاہیے۔[۲]

مطلقہ کے ساتھ کھانا کھانے کو امام احمد نے جائز نہیں قرار دیا ہے۔[۳]

اس پس منظر میں کسی خاتون کا سیلز گرل ہونا یا اسی نوع کا کوئی دوسرا کام کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں حدودِ حجاب کی پابندی ممکن نہیں ہے۔ اس میں نامحرم مردوں سے مسلسل ربط و تعلق اور ایک طرح کا اختلاط ہوتا ہے۔ کاروباری معاملات میں گاہک کو متاثر کرنے کے لیے گفتگو میں دل ربائی کا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے جسے جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔

بعض غور طلب پہلو

اس پورے مسئلہ پر موجودہ حالات کے پس منظر میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں عورت کو شوہر کے گھر کی منتظمہ اور نگراں کہا گیا ہے۔

المرأة راعية على بيت بعلها و ولده وهي مسئوله عنهم[۴]	عورت شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس میں گھر کی دیکھ بھال، شوہر کے مال کی حفاظت، بچوں کی پرورش اور تربیت جیسے امور آتے ہیں۔ پہلے عورت اس کے لیے فارغ ہوتی تھی۔ بعض اوقات مرد کی معاش میں تعاون بھی کرتی تھی۔ لیکن اب حالات کافی بدل گئے ہیں۔

---

[۱] الدر المختار مع رد المحتار، ص ۵۳۲
[۲] حوالہ سابق
[۳] ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۴۹۸-۴۹۹
[۴] بخاری، کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق، مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- امور خانہ داری، کھانے پینے کی تیاری، گھر کی صفائی اور بچوں کی پرورش میں پہلے عورت کا کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ غریب خاندان میں اس کا پورا وقت ہی لگ جاتا تھا، لیکن اب کم از کم شہری زندگی میں مشینی سہولتیں آگئی ہیں جن کی وجہ سے ان کاموں میں اس کا بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔

۲- بچوں کی دیکھ بھال کے لیے آیا، ملازم یا ملازمہ ہوتی ہے۔ تین چار سال کی عمر ہی سے وہ نرسری، اسکول اور پھر کالج چلے جاتے ہیں۔ بعض حالات میں اسکولی زندگی ہی سے ان کا قیام ہاسٹل میں ہوتا ہے۔

۳- زندگی گراں ہوگئی ہے، اخراجات بڑھ گئے ہیں، معیار زندگی بدل گیا ہے۔ اس وجہ سے مرد کی آمدنی بالعموم ناکافی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ میاں بیوی صبر وشکر اور قناعت سے کام لیں اور شوہر کی آمدنی پر اکتفا کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو عورت کوئی مناسب ذریعۂ معاش اختیار کرسکے وہ اختیار کرے اور بہتر زندگی گزارے۔

۴- بلاشبہ یہ مرد کا حق اور اختیار ہے کہ عورت کو کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرنے کی اجازت دے یا نہ دے، لیکن ایک تعلیم یافتہ خاتون کو، جس کے پاس وقت بھی ہو اور جو اپنے اور خاندان کی فلاح کے لیے کچھ کر بھی سکتی ہو، اس سے منع کرنا ذہنی تناؤ اور کش مکش کا باعث ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس مسئلہ پر قانونی نقطۂ نظر سے ہٹ کر خاندانی فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیے۔[۱]

[۱] اس موضوع پر راقم نے اپنی کتاب 'اسلام کا عائلی نظام' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی میں بھی بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو بحث 'دعوت اور معیشت'۔

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب A-27، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: Sammaradnan<talluadnan@yahoo.com>

© rasailojaraid.com